محمد حسین ہیکل اپنی تحریروں کے آئینہ میں

جناب محمد صلاح الدین عمری، شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

جدید مصری ادب ـــ جس کو دنیائے عرب کے تمام آداب پر فوقیت حاصل ہے، اور جس نے قدیم وجدید عربی فکر وفلسفہ کا حسین امتزاج پیش کرکے ادب وفن کو ارتقائی مراحل سے ہم کنار کرنے میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے ـــ کا مطالعہ بڑا متنوع اور دلچسپ ہے۔ علم وادب اور فکر وفن کو برتنے میں سرزمین مصر کو ہمیشہ سے ہی قیادت حاصل رہی ہے۔ یہ مصر ہی تو تھا جس کی قدیم عربی یونیورسٹی جامع ازہر نے مدتوں عالم اسلام کے مسائل کو حل کرنے اور برطانوی تسلط نیز اس سے قبل، مسلمانوں کی بھنور میں پھنسی کشتی کو پار لگانے کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ اسی سرزمین مصر کو تو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس نے عظیم مجددین اور مصلحین کی شخصیت سازی کی، اسی مصر نے تو جمال الدین الافغانی کے لیے اپنے بازو وا کیے اور ان کی اصلاحی دعوت کو اپنے یہاں پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے تھے۔ اسی مصر نے تو شیخ محمد عبدہٗ کے اجتماعی، تعلیمی اور اصلاحی نظریات کی اشاعت کے لیے راہیں ہموار کیں۔ اسی کی آغوش میں تو شیخ رشید رضا نے پناہ لی تھی۔ اسی مصر کی آنکھوں کا تارا انقلابی لیڈر

مصطفیٰ کامل تھا اور اسی مصر کا جگر گوشہ تو انقلاب مصر کا بیباک قائد سعد زغلول تھا، اس کی کوکھ سے تو لطفی السید نے جنم لیا تھا۔ اسی مردم خیز سرزمین کی تو پروردہ ناقد ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین، عظیم عالم ڈاکٹر احمد امین، فلسفی ناقد استاذ محمود العقاد کی گوناگوں شخصیتیں تھیں۔ اس خطۂ ارض کے جمال و رعنائی کے نغمے حافظ ابراہیم نے گائے تھے۔ اسی گنج حسن کے نقوش نے تو احمد شوقی کے قصائد کی نوک پلک سنواری تھی۔ اسی سرزمین میں بہنے والے دریائے نیل کی عظمت اور اس کی قدیم تہذیب و تمدن کے راگ ہیکل نے الاپے ہیں۔ وہی ہیکل جن کو جدید عربی ادب میں پہلے فنی ناول کی تخلیق کا شرف حاصل ہے۔ اسی مصر کے چند سر پھرے نوجوانوں نے اگر ایک طرف مصری قومیت کی آواز لگائی تو دوسری طرف اس کے فرزندانِ توحید نے، اسلام کی عطا کردہ حضارتِ سلیم کو اپنانے کی دعوت دی۔ اسی سرزمین کے چند جیالوں نے کمربستہ ہوکر، اسلام اور اسلامی حضارت سے محبت و عشق کے بیج بوئے اور اسلامی اخوت و مودّت کے پر لطف نغمے چھیڑے۔ پھر، چراغ سے چراغ جلے اور کارواں بنتا گیا۔ اخوان المسلمون، جماعۃ شباب محمد اور جماعۃ الشبان المسلمین کی طاقت ابھری۔

اسی عصر نے تو عربی زبان کے ارتقاء اور فنون ادبیہ و نقدیہ کی ترویج و اشاعت میں عملی حصہ لیا اور تعلیم و تدریس کی سطح کو بلند کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اسی سرزمین کی حضارت نے کھلے دل سے مغربی حضارت و تمدن کو اپنے یہاں پھلنے پھولنے اور پنپنے کے بھرپور مواقع فراہم کیے تاکہ قدیم و جدید تہذیبوں کا ایک حسین آمیزہ تیار ہو کر مصری قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں معاون ثابت ہو۔

مصر ہی کے ایک فرزند محمد حسین ہیکل کی جدید عربی ادب کا اجمالی جائزہ، ہماری اس بحث کا موضوع ہے۔ جی ہاں! وہی ہیکل جس کی شخصیت عرب دنیا میں سب سے پہلے ناول نگار کی حیثیت سے معروف ہے۔ جو افسانہ نویسی اور ناول نگاری کے میدان میں عربی ادب کے پہلے معلم شمار کئے جاتے ہیں، جن کو عربی ادب و تنقید میں بھی ممتاز مقام حاصل تھا۔ یہ ہیکل ہی تو ہیں جنھوں نے 'حیاۃ محمد' پیش کر کے، اسلام دشمن مستشرقین کے بے بنیاد الزامات کا خالص تحقیقی اسلوب میں جواب دیا ہے۔ انھیں نے تو اسلامی سلطنت کو ایسی حضارت کے روپ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو انسانیت کی فلاح و بہبود اور امن عالم کی ضمانت دیتی ہے۔ اسی طرح ان کو ادبی، سیاسی اور تنقیدی مقالات نیز صحافتی مضامین کو فنی انداز میں پیش کرنے کا بھی خاص ملکہ حاصل ہے۔ سیرت و تراجم ادبیہ میں بھی ان کا تنوع ان کی فکری ارتقار کا غماز ہے۔ دل کو چھو لینے والی ہر بات اور ذہن کو جھنجھوڑنے والا ہر احساس، ان کے یہاں الفاظ کا جامہ پہن کر قاری کو دم بخود کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک طویل عرصہ تک ایک مخلص اور خوددار سیاسی قائد اور مفکر کی حیثیت سے زندگی گذارتے رہے اور ساری زندگی، مصر میں نیابتی حکومت اور آزادی کی تلاش جستجو میں سرگرم رہے۔ وہ سیاستداں، ادیب، ناقد، ناول نگار اور صحافی سب ہی کچھ تھے مگر اس سے بڑھ کر وہ غیور، خوددار اور حریت کے دلدادہ انسان تھے۔ حریت رائے اور حریت قلم ان کی سب سے بڑی دولت ہے جس سے وہ کسی قیمت پر بھی دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔

ادبی اور اجتماعی ارتقار کی کہانی، سیاسی حالات کے نشیب و فراز کے پس منظر میں ہی چھپی ہوتی ہے، لہٰذا کسی ادیب یا فنکار کا مطالعہ، اس وقت کے سیاسی،

سماجی اور تمدنی حالات کے پس منظر میں ہی کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ عمل کا ٹکراؤ جب ردعمل سے وقوع پذیر ہوتا ہے تو لاتعداد منفی پہلوؤں کے سامنے آنے کے باوجود بچکے سے رونما ہو جانے والے مثبت پہلوؤں کی تلاش بھی ایک جگر سوز لیکن دلچسپ شغلہ ہے۔ اور یہی مثبت پہلو ادب وفن اور فکر و فلسفہ کے ارتقاء کی کہانی سناتے ہیں۔ مصر میں عمل اور ردعمل کا کچھ ایسا ہی تصادم اس وقت رونما ہوا جب عثمانی حکومت کے زیرنگیں مدت سے چلے آرہے ملک پر ۱۷۹۸ء میں نپولین نے اپنا جھنڈا گاڑ کر باشندگانِ مصر کو بوکھلا دیا۔ اس اچانک تسلط کے ردعمل نے، مصر پر حکومت کرنے کے، فرانسیسیوں کے خوابوں کو چکنا چور ضرور کر دیا، لیکن یہ فرانسیسی سیلاب جاتے جاتے اپنے کچھ ایسے اثرات چھوڑ گیا جن سے مصریوں کو لاشعوری طور پر مستفید ہونا ہی پڑا۔ فرانسیسی حملہ، مصر میں تمدنی اور علمی ترقی کا سنگ میل کہا جاسکتا ہے۔ یہ فرانسیسی اپنے ساتھ تہذیب و تمدن اور علم و ادب کا جو اثاثہ لائے تھے، اس کے اثرات کا نتیجہ ہی تھا کہ مصر میں محمد علی پاشا کے ہاتھ میں زمام حکومت آتے ہی عام اصلاحات، قوم کی سیاسی سطح کو بلند کرنے اور ان میں علمی شعور پیدا کرنے کی غرض سے ایسے قوانین کا نفاذ کرایا گیا جن کے نقوش پر ہی مصر میں سیاسی، علمی اور ادبی ارتقاء کی راہیں ہموار ہوئیں[1]۔ اسی نپولین کے حملہ کے نتیجہ میں غالباً باشندگانِ مصر کو قومیت کا احساس ہوا۔ جس نے بعد کے ادوار میں کہیں فوجی انقلاب کا روپ دھارا، تو کہیں قرانی انقلاب کی تخم ریزی کی، لیکن چونکہ ابھی مصریوں کے سیاسی شعور میں

۱۔ دیکھیئے عمر الدسوقی : فی الأدب الحدیث ج ص ۱۲ تا ۱۴ ۔
د محمد فہمی لہیطہ : تاریخ مصر الاقتصادی ص ۵۷ تا ۶۸۔

وہ پختگی نہیں آئی تھی جو اقوام کو اپنا راستہ خود متعین کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور خود اپنے تحفظ کی اہمیت کا احساس دلاتی ہے، لہٰذا کچے ذہن کی ناعاقبت اندیشیوں کا احساس کرکے، انگریزوں نے مصر کو لقمۂ تر سمجھ کر اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور جلد ہی مصر انگریزوں کی استعماریت کے شکنجہ میں کستا چلا گیا۔ لیکن، تاریخ شاہد ہے کہ انسانیت نے ظلم و عدوان پر کبھی اطمینان کی سانس نہیں لی، بلکہ اسے ہمیشہ ظلم و زیادتی کی کرخت آوازوں کے پس پردہ قومیت کی للکار سنائی دیتی رہی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصر میں غیر ملکی تسلط پر، وہاں کے باشندوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی چین کی سانس نہیں لی، بلکہ جوں جوں استعماریت کی جکڑ بندیاں سخت ہوتی گئیں، وطنیت کا شعور بڑھتا گیا[۱] اسی استعماریت کی ظلم و تعدی کا ثمرہ تھا کہ وہاں جلد ہی قومی لیڈر ابھر کر سامنے آئے جنھوں نے ظلم کی چکی میں پستے ہوئے عوام کو نجات دلانے اور ملک کو غیر ملکی تسلط سے آزاد کرانے کی انتھک جد و جہد شروع کر دی[۲] حزب الوطنی، حزب الوفد، حزب الأمتہ اور حزب الاحرار الدستوریین، اور کتنی ہی سیاسی و سماجی جماعتوں نے اس استعماری تسلط کو مزید برداشت نہ کرنے کے عزم کا اعلان کرکے، ہنگامے شروع کر دیئے، ملک کے طول و عرض میں مظاہرے ہونے لگے، آگ و خون کی ہولی کھیلی جانے لگی، اور مصری بچہ بچہ مصری تشخص کے تحفظ کا عزم لے کر سینہ سپر تھا۔ آخر کار ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء میں فوجی انقلاب برپا ہو گیا[۳] اور اس طرح مصر

---

[۱] ملاحظہ ہو، محمد مصطفیٰ صفوت: مصر المعاصرۃ ص ۷۸۔

[۲] عبد اللطیف حمزۃ: الصحافۃ المصریہ فی مائۃ عامہ ص ۸۱۔

[۳] نقل: مذکرات ج ۲ ص ۳۴۹ - ۳۸۲

میں ایک طویل جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے بعد آزادی کا پرچم لہرایا۔
سیاسی انقلابات اور تبدیلیاں، علم و ادب کی ترقی وتنزلی کی ضامن ہوتی ہیں۔ اور غیر ملکیوں سے سیاسی وثقافتی روابط، علم و ادب کا لین دین اور خیالات و افکارات کا تبادلہ، ذہنی وسعت اور ثقافتی ترقی کا وسیلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ غیر ملکی ثقافت اور ان کے اصول وتمدن سے واقفیت نے مصر کو مغربی تہذیب وتمدن کے معائب ومحاسن سے روشناس کرایا، جس نے وہاں کے علمی وادبی افق کو اگر ایک طرف وسعتوں اور پہنائیوں سے آشنا کیا تو دوسری طرف ہم کو، مصری ادب وفن کا اس جدید تہذیب وتمدن سے شناسائی کے نتیجہ میں، ادب وفن میں آہستہ آہستہ سے در آنے والی کشمکش اور اضطراب کا احساس بھی ہوتا ہے جو مغربی تہذیب کی چکا چوند کرنے والی تیز روشنی کے پس پردہ تہ بہ تہ تاریکیوں کا خاصہ ہے۔ پھر، اگر ایک طرف مصری ادبار اور مفکرین نے عربی زبان وادب کے دامن کو جدید اصلاحات اور سائنسی وثقافتی تعبیرات سے مالا مال کرنے میں اپنی زبان دانی کی قوتیں صرف کی ہیں تو دوسری طرف ہم کو جمال الدین الافغانی اور شیخ محمد عبدہ جیسے مصلحین مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ جنھوں نے مذہبی اصلاح[۱] دین کو فرسودہ رسوم ورواج اور لایعنی اوہام وخرافات سے پاک کرنے اور نوجوان نسل کو ـــــ جو مغربی تہذیب پر فریفتہ ہوکر دین ومذہب سے بیزار نظر آرہی تھی ـــــ دین کی اصل روح سے آشنا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان مصلحین نے اسلامی ثقافت کی اشاعت اور مسلم معاشرہ میں اسلامی فکر وشعور کو

۱۔ ملاحظہ ہو تشارلز آدمس : الاسلام والتجدید فی مصر ص ۱۷-۱۸
وگب الاتجاہات الحدیثۃ فی الاسلام ص ۶۸ ـــ ۶۹ -

بیدار کرکے ان کی علمی وشعوری سطح کو بلند کرنے کی جدوجہد کو ہی اپنا مطمح نظر بنالیا تھا۔ پھر ہماری توجہ مصری یونیورسٹی کے قیام¹ اور اس کے پس پردہ، قوم کی جدید تعلیمی ضروریات کی تکمیل کے بلند مقصد پر بھی جاتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ قدیم امہات الکتب کی دوبارہ اشاعت، تالیف وترجمہ کے لئے کمیٹیوں کا قیام، کرم خوردہ مخطوطات کے احیاء کی جدوجہد²، جرائد ورسائل کا اجراء اور ان کا، مصر میں ادباء وعلماء کی ایک بڑی تعداد کی ذہنی تربیت کا سنجیدہ عمل، قاسم امین کی تحریک حریت نسواں³ کا مصری ماحول پر گہرا اثر، اور پھر قوم کا جدید تہذیب وتمدن کی تہ بہ تہ تاریکیوں میں گم ہوکر، اسلامی وعربی تشخص سے آہستہ آہستہ دست بردار ہوجانے کے خطرناک نتائج کا احساس کرکے چند سر پھرے خداپرستوں کا سوز عمل اور مصری قوم کو ورطۂ ہلاکت سے باہر نکالنے کی پرعزم کوششیں، اور جدید مصری تاریخ کے سوز وساز کے مطالعہ سے اس قدیم اضطراب وکشمکش کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے جو حق وباطل کے درمیان ازل سے ہی نوشتہ ہے۔ گو باطل کی راہ خوشنما، لذت آشنا اور عیش وطرب کے بے شمار احساسات سے مزین ہے، لیکن اس راہ کی منزل بہرحال ہلاکت، تباہی، ذہنی گھٹن اور ازلی اضطراب پر ختم ہوتی ہے۔ اور حق کی راہ غموں کی دھوپ میں جھلساتی ہوئی، سنگ باریوں کے خطرات سے الجھتی اور خار افشانیوں سے لہولہان ہوتی ہوئی، آلام ومصائب سے گھری اور

۱۔ عمر الدسوقی : فی الادب الحدیث ج ۲ ص ۵۲ ۔ ۵۳۔

۲۔ عمر الدسوقی : فی الادب الحدیث ج ۱ ص ۶۱ ۔ ۶۲ ۔

۳۔ دیکھئے : تشارلز آدمس : الاسلام والتجدید فی مصر ص ۲۲۳

سنگلاخ راستوں کے نشیب و فراز سے پُر ہے، لیکن اس راہ کا اختتام جہاں شرح روئی، ذہنی سکون اور ابدی طمانیت کی منزل پر ہوتا ہے۔

ہیکل ۲۰ اگست ۱۸۸۸ء کو کفر غنام نامی بستی میں حسین آفندی سالم ہیکل کے گھر پیدا ہوئے[1] مختلف مدارس میں ابتدائی اور پھر ثانوی تعلیم کی تکمیل کی[2] ۱۹۰۵ء میں لاکالج میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۹۰۹ء میں قانون کی ڈگری لینے کے بعد فرانس چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ۱۹۱۲ء میں 'دین مصر العام' کے موضوع پر مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی[3] گویا ڈاکٹر محمد حسین ہیکل پہلے مصری ہیں جنھوں نے ڈاکٹریٹ کی[4]

ہیکل کی ادبی زندگی کا آغاز، لطفی السید کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات سے تاثر کا نتیجہ تھا۔ لطفی السید نے ہی ہیکل کو ادبی اور اجتماعی موضوعات پر لکھنے کی ترغیب دی اور ہمہ وقت ان کی ہمت افزائی کرتے رہے[5] اس کے بعد جب ہیکل فرانسیسی ادب و ثقافت خصوصاً Hippolyte Taine کے

۱۔ مقالہ، ڈاکٹر حسین فوزی النجار (الدکتور محمد حسین ہیکل اعداد لطفی السید) ص ۵۔

۲۔ ہیکل: مذکرات فی السیاستہ المصریتہ ج ۱ ص ۲۴، دسوقی ضیف: الادب العربی المعاصر فی مصر، ص ۲۷۰۔

۳۔ Antonie Wessils: A modem Arbic Biografphy of Mohammad P 35

۴۔ حسین فوزی النجار ص ۱۴۔

۵۔ ہیکل: مذاکرات ج ۱ ص ۳۰۔

ادبی و تنقیدی افکار سے متاثر ہوئے، تو عربی و فرانسیسی ثقافت کے امتزاج سے جو شکل بنتی ہے اسے ہیکل کی تحریروں کی حلاوت میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ فرانس سے واپس آنے کے بعد ہیکل نے اگرچہ وکالت کا پیشہ شروع کر دیا تھا، لیکن مستقبل کا ہیکل ابتدا ہی سے ان کو اپنی جانب کھینچتا رہا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وکالت کی مشغولیات کے باوجود وہ سیاست، ادب و نقد اور اجتماعی موضوعات پر قلم اٹھاتے رہے حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا کہ ہیکل نے وکالت کا پیشہ ترک کر کے صحافت کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ ان کی صحافتی زندگی کا باقاعدہ آغاز 'السیاسۃ' کی ایڈیٹر شپ سے ہوتا ہے۔ جو حزب الاحرار کا روزنامہ اخبار تھا[۲] پھر چند سال بعد انھوں نے ایک ہفتہ وار ادبی میگزین 'السیاسۃ الاسبوعیۃ' نکالنا شروع کیا[۳] جس نے جلد ہی اس وقت کے ادبی و تنقیدی رجحانات اور جدید فکر و شعور کے ترجمان کی حیثیت اختیار کر لی۔ ایک طویل عرصہ تک صحافت سے منسلک رہنے کے بعد جب انھوں نے عملی سیاست میں قدم رکھا تو کئی بار وزارت تعلیم کا قلمدان ان کے سپرد کیا گیا۔ پھر اس کے بعد رئیس مجلس الشیوخ کے معزز عہدہ پر بھی کئی بار سرفراز ہوئے[۴]۔ ان کی صحافتی و سیاسی زندگی کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ وہ کبھی بھی حریت فکر اور آزادی رائے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے کہ یہی تو ان کا طرۂ امتیاز ہے جو ان کو بہت عزیز ہے۔ تقلید اور دوسروں کے نقش قدم پہ چل پڑنا یا مادی مقصد

۱۔ ہیکل: تراجم مصریہ و غربیۃ ص ۲۴۷۔

۲۔ حسین فوزی النجار، حوالہ سابق ص ۸۔

۳۔ Antonie wessels: opcit P36

۴۔ ہیکل: مذکرات ج ۲ ص ۸۹ و ص ۳۰۲۔

حصول کی خاطر یہاں میں ہاں ملانے والے تو بے تلاش کئے، قدم قدم پہ ملتے ہیں لیکن حریت رائے اور آزادیٔ فکر کو برتنے کے لئے نہ صرف اپنے ہر ذاتی مفاد کو پس پشت ڈالنا پڑتا ہے، بلکہ قدم قدم پر مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کا نشانہ بھی اس راہ کو اپنانے کا لازمی جزو ہے۔ حریت فکر کی راہ بظاہر بڑی پُر خطر اور دشوار گزار نظر آتی ہے اور اس کے راہی کو اس راہ کے انتخاب کا حساب کرب و اذیت اور طویل تر تنہائی کے احساسات سے چکانا پڑتا ہے لیکن کارزار حیات میں ہمعصروں کے ستائے ہوئے، تنہائی کے احساس تلے دبے کرب زدہ چند نفوس اپنا مقام بنانے میں بالآخر کامیابی کی منزل سے ہم آغوش ہوتے ہیں اور ذاتی اغراض و مقاصد کے پرستار اور فرسودہ تقلید کے بندے، اپنے ہی جیسے بے شمار انسانوں کے سیلاب میں بہتے بہتے نہ صرف اپنا وجود کھو بیٹھتے ہیں بلکہ ان کی یادوں کے نقوش بھی نقش برآب سے زیادہ دیرپا نہیں ہوتے۔ ہیکل کا شمار بھی ان چند خوش نصیب نفوس میں کیا جا سکتا ہے، جس نے حریت فکر کا کبھی کوئی سودا نہیں کیا، اور تقلید کی سہل انگیزی سے منہ موڑ کر، اپنی راہ خود بنانے کی صعوبتیں جھیلنے ہی میں سکون و طمانیت کے پہلو تلاش کئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر عزم کوشش میں انھوں نے لغزشیں بھی کھائی ہیں، اور کبھی غلط راہوں پر بھی چل پڑے لیکن بالآخر حق کی تلاش کے جذبۂ صادق نے ان کو جس منزل پر پہونچایا وہ علمی منزل حق، امن و سکون کی علامت اور صالح فکر و حرارت کی ضامن ہے[1]

سیاسی و صحافتی مصروفیات کے باوجود، خوب سے خوب تر کی تلاش ان کو لکھنے پڑھنے پر آمادہ کرتی رہی اور وہ، کبھی 'زینب' لکھ کر اپنے اندرونی کرب

۱۔ دیکھئے تقدیم فی منزل الوحی"

اور فرسودہ تقلید کے خلاف اپنے احساسات کو صفحۂ قرطاس پر اتارتے ہیں[1]، تو کبھی عظیم مصری شخصیات اور مغربی مفکرین سے اپنے دل کے رشتے جوڑ کر مصریوں کو اپنے فکر سے آشنا کرتے ہیں[2]۔ فرانسیسی اصول تنقید اور حضارت و تمدن کے قوانین کا موازنہ مصری اور عربی ادب و نقد سے کرتے ہیں تو زبردست مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن ہمت نہیں ہارتے بلکہ اپنے مقالات و مضامین میں ادب و نقد کے مسائل چھیڑ کر جدید اصولِ نقد اور خالص تحقیقی اسلوب کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں[3]۔ تاریخ اسلام اور سیرت نبویؐ کے موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں[4] تو اپنے مخصوص تحقیقی، علمی اور ادبی اسلوب میں ایسے نادر نمونے پیش کرتے ہیں کہ خود ہی اپنی تحقیق پر رشک آجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "حیاۃ محمد" میں انھوں نے بعض ایسے پہلوؤں پر تاریخی بحث کی ہے جو مستشرقین کا ہدفِ ملامت بنے ہوئے تھے۔ اس تالیف کی ترتیب میں ہیکل کی بعض زبردست لغزشوں سے قطع نظر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جدید دور میں جدید اسلوبِ تحقیق کے پیش نظر لکھی جانے والی سیرت پر یہ پہلی تالیف ہے، پھر، حضرت ابوبکرؓ[5] اور حضرت عمرؓ[6] کی شخصیت

۱۔ ملاحظہ ہو ہیکل کی ناول "زینب"
۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "تراجم مصریہ، وغربیۃ"، اور "ثورۃ الأدب"
۳۔ دیکھئے ثورۃ الأدب۔
۴۔ حیاۃ محمد۔
۵۔ الصدیق ابوبکر۔
۶۔ الفاروق عمر۔

محمد علی نے جس تاریخی اسلوب میں پیش کیا ہے اور جدید مصر کی سیاسی تاریخ کی تدوین کی، اس سے ان کی علمی دیانت داری اور دیانتدارانہ تحقیقی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ان کی متنوع شخصیت کا بھی احساس ہوتا ہے۔

(باقی)

مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت

مولانا ابو الکلام آزادؒ کے سیاسی نظریات مولانا کی علمی اور دینی زندگی اور قرآن فہمی کی غیر معمولی بصیرت کے لئے حجاب بن گئے تھے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے مولانا آزاد کو موجودہ عقلی دور کے تقاضوں کے مطابق قرآنی علوم و معارف کو قدیم و جدید ذہنوں میں اتارنے اور مضطرب دلوں کو مطمئن کرنے کی بھرپور صلاحیت سے نوازا تھا۔

مولانا آزاد کی معرکۃ الآرا تفسیر —— ترجمان القرآن —— اس کا واضح نمونہ ہے۔

مولانا اخلاق حسین قاسمی نے چار سو صفحات کی اس اہم کتاب میں ترجمان القرآن کے علمی، تفسیری، تاریخی اور ادبی محاسن و کمالات پر شرح و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

شروع میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار کا تحقیقی مقدمہ شامل ہے۔ مولانا آزاد کی قرآنی فہم و بصیرت پر یہ پہلی عظیم کتاب مولانا آزاد صدی کا بہترین علمی تحفہ ہے۔

کتابت و طباعت معیاری، قیمت پچاس روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ رحمت عالمؐ، شیخ چاند اسٹریٹ، لال کنواں، دہلی ۶